© rasailojaraid.com



مولانا وحید الحسینی

چوتھی قسط

# عربی ہی اُمُّ الالسنہ کیوں؟

اب ہمارے سامنے عربی زبان کی تخلیق اور عہد بعہد تغیرات زبان کے ارتقائی حالات کا اجمالی خاکہ آجاتا ہے جس کو تاریخ کے تخمینی اندازہ سے یوں بیان کیا جاسکتا ہے:-

عربی قدیم کی آرامی شاخ تاریخ کے نامعلوم زمانہ سے شروع ہوکر عربی کی بابلی شاخ تک قائم رہتی ہے۔ پھر بابلی زبان کا آغاز ہوتا ہے۔ بابل میں اس سلسلے کی آخری حکومت دولت حمورابی کے نام سے مشہور ہے۔ جو حضرت مسیح علیہ السلام سے ڈھائی ہزار سال قبل (۲۵۰۰ قم) وجود میں آئی۔ یہ عربی بابلی دور ہے۔ قوم عاد کی ایک اور شاخ معینی برسراقتدار آئی جو ۱۰۰۰ ق م تک معینی زبان کو فروغ دیتی رہی پھر یمنی حکومت کا سبائی دور شروع ہوا جس کا خاتمہ ۱۱۵ ق م میں ہوا۔ اس کی بنیاد پر حمیری زبان کھڑی ہوئی۔ یہ قحطانی عربی کی تاریخ ہے۔ عدنانی عربی کی تاریخ حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کی مکہ معظمہ میں سکونت (۲۰۰۰ ق م) عمل میں آتی ہے۔ خود عدنان کا زمانہ ۶۰۰ ق م ہے۔ یہ حجازی عربی اطراف عرب میں خوب اشاعت پذیر ہوئی۔ یہ اس کا پہلا دور ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



پھر جب عدنانی قبائل کا شیرازہ منتشر ہوا تو مسابقت و مقابلہ نے زبان کی ترقی کا میدان ہموار کیا۔ اور پورے حجاز میں اس کا تسلط و غلبہ ہوا۔ یہ دوسرا دور ہے۔ اس کے بعد قریش (فہر و غالب) نے جب اسماعیلی نسل میں اجتماعیت پیدا کی۔ اور کعبۃ اللہ کی مرکزیت کو خوب خوب فروغ دیا تو ان کو مختلف قبائل کے محاورات اور الفاظ و کلمات سے واقفیت ہوتی گئی۔ اور بہتر و فصیح تر الفاظ و محاورات کے انتخاب کا موقع ملتا رہا۔ اس لیے قریش کی زبان نکھرتی چلی گئی اور آئندہ چل کر قریش کی زبان ٹکسالی بن کر رہ گئی اور قرآن حکیم نے اس زبان پر وحی کی مہر لگا کر ابد الآباد تک کے لیے زندہ و پائندہ اور تابندہ زبان بنا دیا۔

اب یہاں پہنچ کر مستشرقین کے نظریہ ام الالسنہ کو ظاہر کر کے اصل موضوع پر آخری فیصلہ ناظرین کی رائے پر چھوڑ کر ہم اصل بحث کو ختم کرتے ہیں۔

بعض مصنف محققین کے نزدیک آرامی، عبرانی، عربی کی اصل عربی ہے لیکن اکثر محققین یورپ کے نزدیک سب سے قدیم بابلی زبان ہے اور اس کے قریب عربی زبان ہے۔ دولت حمورابی کے متعلقہ کتبات و آثار کی بدولت قدیم بابلی زبان کا ذخیرہ جمع ہوگیا ہے اس کو جب دوسری زبانوں سے مقابلہ کیا گیا تو عربی سے بے حد مشابہت پائی گئی اور بہت سے الفاظ و کلمات تو جوں کے توں موجود ملے۔ ان اکتشافات اثریہ سے پہلے ان محققین السنہ کی رائے تھی کہ عربی میں اعرابی حرکات کا وجود نسبتہً قریبی زمانہ سے ہے لیکن بابلی زبان کے اثرات نے اعراب کے وجود کو بہت قدیم زمانہ سے ثابت کر دیا ہے۔ اسی طرح بابلی و عربی میں تنوین کا وجود یکساں ہے۔ اتنا فرق ضرور ہے کہ وہاں تنوین میم کے ساتھ اور یہاں نون کے ساتھ ہے۔ اور یہ کوئی اہم فرق نہیں کہ نون اور میم متقارب المخارج ہیں علیٰ ہذا واو۔ نون علامت جمع دونوں زبانوں میں ایک ہی ہیں۔ سب سے بڑھ کر کسی زبان کی اصلیت و ماخذ کے معلوم کرنے کا راز اس کے افعال و صیغ کے معلوم کرنے میں مضمر ہے۔

جملہ سامی زبانوں میں بابلی و عربی زبانوں سے زیادہ کسی میں مناسبت نہیں پائی جاتی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو دونوں کے اتحاد کی کھلی دلیل ہے۔

دلائلِ مذکور الصدر سے یورپ کے علماء السنہ نے یہ نتیجہ نکالا کہ سامی زبانوں کی ام الالسنہ بابلی ہے اور پھر بابلی سے عربی نے پَر و بال نکالے۔ اس لیے عربی زبان ان کی ماں تو نہیں ہے مگر ان کی سب سے بڑی بہن ضرور ہے۔ یعنی عربی ان زبانوں سے قریب تر، اور آرامی، عبرانی اور سریانی زبانوں میں بہرحال قدیم ہے۔

آرامی تو صدیاں ہوئیں کہ بالکل مٹ گئی۔ لیکن عبرانی و سریانی کسی نہ کسی شکل میں باقی چلی آرہی ہیں اور عربی سے ان دونوں زبانوں میں بہت کچھ مشابہت و مجانست تاحال پائی جاتی ہے۔

وہ الفاظ و کلمات جو وطنی تبدیلی اور اجتماعی احوال کے اختلاف سے متغیر نہیں ہوتے ابھی تک ان تینوں میں تھوڑے بہت فرق کے ساتھ چلے آرہے ہیں۔ ضمائر و افعال میں کچھ نہ کچھ مشابہت قائم ہے۔ یورپ کے مذکور الصدر محققین نے اس مرحلہ پر دو زبردست ٹھوکریں دانستہ یا نادانستہ کھائی ہیں جن کی تنقیح سے حقیقتِ حال عیاں ہوجائے گی۔

سب سے پہلی بنیادی غلطی یہ ہے کہ عرب بائدہ (جو سامی اقوام کی ابتدائی شاخیں ہیں) کو اس حقیقت کے تسلیم کرلینے کے باوجود کہ ان کا مسکن اولین عرب اور صرف عرب ہے (جس کو ہم بہت زیادہ زور دے کر بیان کرچکے ہیں) ان بائدہ اقوام کی زبان کو عربی نہیں قرار دیتے، آرامی زبان کہتے ہیں اور آرامی زبان کو اپنے مزعومہ خیال کے مطابق غیر عربی کہتے ہیں۔ گویا عرب کی رہنے والی ابتدائی قوم اپنی زبان سے محروم رہی تا آنکہ قبیلہ عاد کی ایک شاخ عاد ارم نے آرامی کو ایجاد کیا اور یہ گونگی صدیاں گزرنے کے بعد گویا ہوئی، جو اصولِ فطرت، اصولِ لغت کے خلاف ایک مضحکہ خیز بات ہے۔

دوسری غلطی یہ ہے کہ عادِ اولیٰ (قوم ہود) کے خاتمہ کے بعد عادِ ثانیہ (قوم ثمود) جب اس کی جانشین بن کر صفحۂ تاریخ پر نمودار ہوئی تو عربی آرامی زبان سے محروم ہوکر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک نئی زبان ثمودی یا لحیانی (پروٹو عربک) بولنے لگی اور قانون توارث (جو فطرت کے قانون ارتقاء کی ڈارون کی تھیوری کی اہم بنیاد ہے) قوم ثمود کے حق میں باطل ثابت ہوا اور ان کو ایک نئی قوم کی حیثیت سے ایک نئی زبان کی داغ بیل ڈالنا پڑی جس کو مستشرقین نے ابتدائی عربی (پروٹو عربک) کا نام دیا۔

پھر قبیلہ عاد کی ایک زبردست و باجروت شاخ نے بابل پر حملہ آور ہو کر عیلامیوں کو ملک بدر کر کے سنہ ۲۵۰۰ ق م میں جب ایک بڑی سلطنت قائم کر لی جس کا مشہور بادشاہ حمورابی ہوا تو اس وقت بابلی زبان کی شروعات ہوئیں۔ حمورابی کے کتبات سے (جس میں اشوک لاٹھ کی طرح اس کے فرامین کندہ ہیں) اس زبان کے حروف تہجی تیار ہوئے یہ بابلی زبان سامی زبانوں کی ماں بنی۔

ایک عرصۂ دراز کے بعد اس بابلی زبان سے عربی متفرع ہوئی اور وہ عدنانی و حجازی، اسمٰعیلی زبان کی شکل میں سنہ ۵۰۰ م میں عربی زبان نے مستقل شکل اختیار کی۔

ان محققین یورپ کی غلطی یا غلط فہمی کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ آرامی و ثمودی و بابلی، عدنانی، عربی زبانوں میں باہمی فرق کی وجہ سے ان کے متحد و مشترک ہونے کے قائل نہ ہو سکے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آرامی زبان کو ثمودی سے ملا کر دیکھا جائے تو بے شمار الفاظ بدلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ افعال و کلمات میں بہت بہت کچھ فرق پیدا ہو گیا۔ پھر جب بابل پہنچ کر ان سامی قوموں نے زبان اختیار کی تو وہ اس سے جداگانہ زبان بن گئی۔

بابل ہمیشہ غیر قوموں کے حملوں اور حکومتوں کا آماجگاہ رہا ہے۔ سامی عربوں سے پہلے ساماریوں اور اکادیوں کی حکومت تھی یہ قومیں تورانی تھیں۔ پھر عیلامیوں نے تسلّط حاصل کیا۔ جب سامی عربوں نے عیلامیوں کو شکست دے کر اپنا تخت سلطنت بچھایا تو آہستہ آہستہ ان کی زبانیں مغلوب ہوتی گئیں اور عربوں کی زمانی عربی (جس کو مستشرقین بابلی کہتے ہیں) غالب آتی گئی۔ یقیناً عربی وہاں پہنچنے کے بعد خالص نہ رہ سکی ہو گی۔ ساتھ ہی زمانوں کے الفاظ اس کے اجزائے لاینفک بنتے گئے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



یہ قانونِ فطرت ہے کہ اقوام کے اختلاط سے ہر زبان دوسری زبان سے متاثر ہے۔ ہر قوم کچھ مخصوص خیالات اور کچھ مخصوص ضروریات اور ان کے لیے مخصوص ا... وکلمات کا ذخیرہ رکھتی ہے۔ جب قوموں میں آپس کا میل جول ہوتا ہے تو یہ معا... تعلق زندگی کے ہر گوشہ میں اثر انداز ہوتا ہے، خیالات و جذبات، ضروریات غرض ہر چیز میں باہمی تبادلہ اور لین دین ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کے خیالات سے متاثر ہوتی ہے اور بعینہ وہی الفاظ یا کچھ تغیر کے ساتھ دوسرے کلمات تشکیل ہو... ہیں۔ کیونکہ زبان انسانی زندگی میں ایک زندہ و نامیاتی حقیقت رکھتی ہے بہتے پانی کی طرح اپنا راستہ خود نکالتی ہے، قوانین حیات سے آگے بڑھتی ہے۔ وہ ایک مشینی چیز نہیں کہ جہاں فٹ کردیا جائے وہیں جم کر رہ جائے بلکہ زندگی کی طرح وسعت اور پھیلاؤ کے لیے خود جگہ پیدا کرتی ہے اور گنجائش نکالتی ہے یعنی کسی کے بنانے سے نہیں بنتی ہے بلکہ قوانین قدرت کے ماتحت اصول ارتقا سے فیض یاب ہو کر اپنا مقام بناتی ہے۔ زبان کو خواہ مخواہ کے بوجھ کی طرح کسی پر لا... جاسکتا۔ نہ بزور و جبر اور زبردستی کسی قوم پر تھوپا جاسکتا ہے، جب تک اس کی عوام کے دلوں کی گہرائیوں میں پیوست نہ ہوں، قدرتی طور پر ترقی پذیر نہیں ہوس...

اس کی واضح و روشن مثال خود ہماری زبان اردو ہے کہ ہندوستان میں فاتح کے باہمی ارتباط و اختلاط اور آپس کی محبت و مودت نے اُردو کا تحفہ ہندوس... کو دیا۔ یہاں کے عوام اور عوام دوست فقرا و صوفیا نے اس کی تشکیل میں حصہ پھر جب یہ بچہ بقول آزاد لوگوں کی گودوں میں کھیلنے لگا اور اس کی شوخیاں ... کو لبھانے لگیں تو پھر بادشاہوں کی نگاہِ عنایت بھی پڑنے لگی۔

خوش قسمتی سے اردو زبان کے ارتقا و نشو و نما میں شمالی و جنوبی ہندوس... نے اسی طرح حصہ لیا جس طرح عربی کی قحطانی و عدنانی یا جغرافیائی اعتبار سے ش... و جنوب نے حصہ لیا۔ پھر شمالی ہند کی زبان نے کئی دوروں سے گزر کر موجودہ نکھ... ستھری، معیاری، ٹکسالی زبان تیار کی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شاہ حاتم کی اصلاح سے پہلے شمالی ہند کی زبان کا ایک دور ہے۔ پھر استاد ناسخ کی اصلاح و ترمیم سے پہلے کی ایک زبان ہے۔ حالانکہ زبانوں کی تاریخ میں یہ ایک نوعمر و نوخیز زبان ہے، پھر بھی چار پانچ صدیوں کی تہذیب و اصلاح نے اردو زبان میں اس قدر فرق پیدا کر دیا ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔

آج دکھنی اردو کو (جو قطب شاہی کے زیر سایہ پرورش پاتی رہی) پوری طرح سمجھنا ڈکشنری کے بغیر ہمارے لیے محال ہے اور موجودہ اردو سے اس کا رشتہ قائم رکھنا بادی النظر میں دشوار نظر آتا ہے۔

اسی طرح شمالی ہند کی زبان کا وہ دور جو شاہ حاتم سے پہلے پنجاب و دہلی و اودھ و بہار میں گزرا، اس کا بڑا ذخیرہ بھی ناقابل فہم ہے۔ شاہ حاتم کی اصلاح کے بعد سے زبان میں ستھراؤ پیدا ہوتا گیا۔ لیکن پھر بھی بعد میں سینکڑوں متروکات تھے جو جاری رہے۔ جن کو استاذ ناسخ نے چھانٹ دیا۔ زبان کی تراش خراش ایسے اصولوں سے کی کہ وہ بعد میں فصیح و شیریں، رفتہ و شستہ بن گئی۔ یہاں تک کہ دلی کے آخری دور میں اس کو اردوئے معلّی کا خطاب دیا گیا اور وہ آج تک معیار کا کام دیتی چلی آرہی ہے۔

لسانیات کا طالب علم جب بھی اردو کی تاریخ تحریر کرے گا تو دکھنی اردو یا شمالی ہند کے ابتدائی دور کی اردو کو تاریخ سے ہرگز خارج نہ کرے گا۔ ان تغیرات لسانی کو تغیرات زمانی کی روشنی میں معلوم کر کے اس کے آغاز تخلیق کا پتہ چلائے گا۔

یہی وہ اصول و قواعد ہیں جن کی رہنمائی میں محققین لسانیات نے زبانوں کے کھوج میں بڑا شاندار کارنامہ انجام دیا ہے۔

لیکن تعجب ہے کہ زبان عربی کی پیدائش و ترقی اور عہد بعہد ارتقاء و نشو و نما کے سلسلے میں آنکھیں بند کر کے ایک ایسا دعویٰ کیا جاتا ہے جو علمی و تحقیقی و تاریخی روشنی میں کسی طرح مانا نہیں جا سکتا کہ عربی زبان ۵۰۰ء میں معرض وجود میں آئی۔ عربی زبان چار پانچ ہزار برس میں کبھی بھی ایک نہج، ایک اسلوب پر ہرگز برقرار نہیں رہ سکتی۔ کیا اس طویل و عریض عرصہ میں زبان کا وجود سمجھ میں آ سکتا ہے؟ کیا زبان کے اصول ارتقاء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اتنی بڑی مدت تک عربی پر غیر مؤثر رہ سکتے ہیں؟

اگر کسی زبان کی ابتدائی، درمیانی اور آخری شکل وصورت میں امتدادِ حالات زمانی تغیرات، طبعی مؤثرات کی وجہ سے نمایاں فرق پیدا ہو جائے تو کیا ان کو تین مختلف زبانیں کہا جائے گا؟

اگر ان سب کا جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ جب کہ امم سابقہ کا اولین مستقر عرب تھا اس لیے عربی ہی سب زبانوں کی ماں (ام الالسنہ) ہے اور اسی سے باقی سامی زبانیں متفرع ہوئیں، جہاں جہاں عربوں کا قافلہ فروکش ہوتا گیا زبانوں کا لب ولہجہ بدلتا گیا اور دوسری زبانوں کے الفاظ کی آمیزش ہوتی گئی جو آگے چل کر آرامی، بابلی، عبرانی وسریانی وغیرہ ناموں سے مشہور ہوگئیں لیکن عربی زبان کا تسلسل نہ ٹوٹا۔ آخر میں عدنانی زبان نے قریش کے لب ولہجہ کو اختیار کر کے ایک مشترک فصیح وبلیغ زبان (بنگوا فرکھا) کو اختیار کیا۔

قرآن حکیم نے اسی عربی مبین کو اُردوئے معلّٰی کی حیثیت سے مہر تکمیل ثبت کر کے قیامت تک کے لیے زندہ وپائندہ بنا دیا۔

مذکورہ بالا تاریخی تحقیقات کی روشنی میں یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ

سامی زبانوں میں سب سے قدیمی اور زندہ وپائندہ زبان وہی ہے جس کو عربی کہا جاتا ہے۔ اور جس کو چھٹی صدی عیسوی سے قرآنی لقب میں عربی مبین یاد کیا جاتا ہے۔ اس سے پیشتر وہ بہت سے تاریخی انقلابی دوروں سے گزر کر قوموں، نسلوں، جغرافیائی حدبندیوں کی طرف منسوب ہوتی رہی۔ کبھی اس کو ملک بابل کی طرف نسبت دیتے ہوئے ابلی اور کبھی قبیلہ ثمود ولحیانی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور کبھی اسمٰعیلی شاخ کے اہم قبیلہ عدنان کی وجہ سے عدنانی کہلائی جاتی رہی۔ لیکن ہزارہا سال اس تاریخی ارتقاء کے مراحل کو طے کرتے ہوئے ایک جامع ومشترک نام دیا جاسکتا ہے تو وہ "عربی" ہی کا ہے۔ اس لیے بلاتکلف کہا جاسکتا ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اس وقت جملہ السنۂ عالم میں زندہ و قائم زبان اگر صفحۂ ارض پر موجود ہو سکتی ہے
عربی ہی ہے اس لیے اس کو سب زبانوں کی "ماں" یا "دادی" کہہ سکتے ہیں۔ اور
زبانیں زمانے کے تغیرات، حوادث کے استبداد کے ہاتھوں فنا کے گھاٹ اتر چکی ہیں
بعد کی پیدا شدہ زبانوں میں اپنی زندگی و توانائی کھو چکی ہیں۔ لہذا ان زندہ زبانوں
معرض بحث میں آ سکتی ہیں کوئی زبان بھی رہ جاتی ہے تو وہ صرف عربی ہے۔ بنا بریں
کی قدامت و اصلیت بلکہ امیت خود بخود ثابت ہو جاتی ہے۔

لیکن ہم بحمدہٖ تعالیٰ اپنی بحث کے دامن کو وسیع کر کے یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ زبانوں
شجرہ میں سامی زبان کے آرین و منگولین یا ڈراٹیویڈین زبانوں میں بھی اگر کوئی زبان
کا سرچشمہ اور منبع حیات بننے کی صلاحیت رکھتی ہے، تو وہ عربی ہے۔

یورپ کے محققین السنہ نے آرین یا بقول ان کی اصطلاح انڈو یورپین زبانوں
کی تحقیقاتی کاوشوں کا جولانگاہ بنایا اور اس سے خاطر خواہ نتائج پیدا کرنے کی کوشش

آج جو عموماً تسلیم کر لیا گیا ہے کہ

"یورپین، ایرانی، اور بعض ہندی اقوام کے
آباء و اجداد ایک وقت، ایک ہی جگہ آباد
اور ایک ہی زبان بولتے تھے"

قیاس کی بنیاد نہ تو کوئی قدیم تاریخ اور نہ زمانہ کے عتیق کا علم ادب، ان مختلف
کی زبانوں کے الفاظ کی مشارکت و مجانست، ان ساری تاریخ سازیوں کا باعث
ہے۔ (ام الالسنہ صفحہ ۲)

جس قدر دماغ سوزی و عرق ریزی انڈو یورپین خصوصیت سے سنسکرت زبان کی
کے حصہ میں آئی۔ اگر اس کا عشر عشیر حصہ بھی سامی زبانوں کا خصوصیت سے عربی زبان
ہوتا تو اس سے زیادہ اہم نتائج اور شاندار کارنامے سرانجام پاتے۔

عربی ایک زندہ قوم کی زبان ہے اور بہت سی زندہ قوموں سے اس کا مذہبی تعلق ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



جن کی روایات اور کارنامے بہت سی قومی رقابتوں کا موجب بن چکے ہیں اس لیے اس کی طرف بے توجہی و عدم دلچسپی حیرت انگیز تو نہیں مگر افسوسناک ضرور ہے۔

بہرحال ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ وہ کون سے اصول ہیں جن کی وجہ سے قدیمی زبانوں میں سنسکرت ان مستشرقین کی توجہات کو اپنی طرف جذب کر سکی؟

علم الالسنہ (فیلالوجی) کی تحقیق دراصل الفاظ کی تحقیق کا دوسرا نام ہے۔ ان کا ماخذ و اشتقاق ان کی تعریف و تعلیل ہی ایک عالم لسانیات کے ہمیشہ پیش نظر رہتی ہے۔ جس قدر کسی زبان میں الفاظ اصلی شکل میں محفوظ دستیاب ہوں گے اسی قدر تحقیقاتی دروازہ کھل سکے گا۔ اور زبانوں کے اتحاد، قوموں کی وحدت کا صحیح سراغ لگ سکے گا۔ اس لیے ایک ماہر لسانیات (فیلالوجسٹ) کی توجہات کا مرکز وہ زبانیں ہوں گی جو معرض تغیر میں نہ ہوں۔ زندہ زبانیں ہمیشہ تغیرات کا نشانہ بنتی رہتی ہیں۔ بہت سے الفاظ اپنی شکلیں، اپنے معانی تک بدلتے رہتے ہیں۔ قانون حیات اور آئین انقلاب اپنے نقوش ثبت کرتا رہتا ہے۔ اصل مادہ کے بہت سے الفاظ حذف ہو جاتے ہیں کہ پہچانی ہوئی شکلوں کا پہچاننا دشوار ہو جاتا ہے اور بسا اوقات قاعدہ مجاز و نقل معانی میں ایسی تبدیلی پیدا کر دیتا ہے کہ دو ہم ماخذ الفاظ میں نقطۂ اشتراک پیدا کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

اس کے مقابل مردہ زبانیں اپنی موت کے بعد ان تغیراتی انقلابات کی دسترس سے باہر ہوتی ہیں۔ زندگی کے قوانین انقلاب و تغیر ان پر نافذ نہیں ہوتے۔ ان کے الفاظ اپنی شکل و صورت میں محفوظ رہتے ہیں۔ اس لیے ایک محقق کے لیے استنباط نتائج آسان ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ لاطینی اور یونانی زبانوں کی طرف زیادہ توجہ کی گئی اور پھر ان سب سے زیادہ قدیمی زبان سنسکرت ثابت ہوئی جو ڈھائی تین ہزار برس پہلے اپنی زندگی ختم کر چکی اور اس کا لٹریچر جوں کا توں موجود ہے۔ اس لیے اس میں دلچسپی و توجہ فرمائی کے سامان زیادہ نظر آئے۔

کیونکہ قدیم لاطینی و یونانی سے صدیوں پہلے سنسکرت قدرتی موت کا شکار ہو چکی تھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ر مقامی پراکرتوں نے اس سے فائدہ اٹھاکر اپنے لیے مقام حاصل کرلیا۔ سنسکرت کے حامیوں، پنڈتوں، برہمنوں نے دیویانی آسمانی زبان کہہ کر اس کا رشتہ عوام سے منقطع کے مزید مُردنی کے اسباب فراہم کردیئے۔ اگرچہ ان کا مقصد تقدس مذہبی کے پردہ میں رہ داری رہا ہو لیکن قدیم زبان مذہبی صحیفوں، ادبی نوشتوں کے غلافوں میں بند ہوکر رگی شجر سے یکسر کٹ کر رہ گئی اور اپنی شادابیوں، توانیوں کو بھول بیٹھی۔ عوامی استعمال زبانوں کے لیے خراد کا کام دیتا رہا ہے اس کے الفاظ ان گھڑ بن کر رہ گئے جن کا آج ظ بھی مشکل ہو رہا ہے۔ جب استعمال کے سانچے کسی زبان کو نہ ڈھال سکیں تو پھر عجائب خانہ کی چیز بن جاتی ہے۔ بہر حال جو کچھ واقعہ ہو۔

یہ حقیقت ہے کہ یورپ کے محققین السنہ کے لیے سنسکرت زبان نہایت مفید ثابت ئی کیوں کہ اس کا کلاسیکل لٹریچر (ادبی ذخیرہ) اس کی صرف و نحو کی کتابیں، اس قدیمی فلسفے مدوّن شکل میں موجود ہیں۔

اس خصوصیت اور مخصوص فضیلت کی وجہ سے لسانی تحقیقات میں جس قدر امداد محققین (فیلالوجسٹ) کو اس زبان سے ملی ہے اور کسی زبان سے نہیں مل سکی۔ جس وہ خود معترف ہیں۔ لیکن یہ جملہ محققین اس بات پر بھی متفق ہیں کہ خود سنسکرت انڈو یورپین زبانوں کی ماں نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ اس کو بڑی ں کہا جاسکتا ہے۔ لیکن ان زبانوں کی ماں کون تھی؟

یہ ابھی تک محقق نہ ہوسکا۔ انھوں نے ان زبانوں کے اکثر الفاظ کو چند کلمات تک بایا ہے، جن کو وہ اپنی اصطلاح میں انڈو جرمینک روٹ (مادہ) کہتے ہیں۔ ان کے ق بعض علماء کو اعتراف ہے کہ یہ روٹ (الفاظ کی جڑ یا مادہ) کسی وقت بھی کسی جہ زبان کے اجزا یا کلمات نہ تھے۔ ان مختلف زبانوں کے بعض الفاظ کے مأخذ یہ ت نظر آتے ہیں۔

---

مُسلسل

© rasailojaraid.com